۳۹

(فرمودہ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۰ء بمقام تعلیم الاسلام کالج لاہور)

وہ دوست جو اخبار پڑھنے کے عادی ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ مجھے ڈیڑھ مہینہ سے شدید کھانسی ہے، راستہ کی گرد کی وجہ سے یہ شکایت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اور پھر چونکہ یہاں کئی دن بارش رہی اور اس کی وجہ سے کمرے نم آلود تھے اس نمی نے اور بھی زیادہ کھانسی کے بڑھانے میں مدد دی ہے، اس لئے نہ تو میں اونچا بول سکتا ہوں اور نہ لمبا بول سکتا ہوں۔ بہرحال عید کے بعد خطبہ پڑھنا سنت[1] ہے۔ اس لئے خطبہ تو میں پڑھوں گا لیکن بجائے کسی ایک مضمون کے میں ایک دو چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کر دینا چاہتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں پہلے ربوہ میں سُنا کرتا تھا لیکن کل میں نے دیکھا تو نہیں، ہاں میں نے اپنے کانوں سے سُنا اور مجھے معلوم ہوا کہ یہاں لاہور میں دو جمعے ہوتے ہیں، ایک مسجد میں اور ایک رتن باغ میں۔ مجھے اس بات کو دیکھکر نہایت تعجب ہوا کیونکہ شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شہر میں ایک ہی جمعہ ہو[2]۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چوہدری قسم کے لوگ رتن باغ میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور غریب مسجد میں چلے جاتے ہیں۔ شاید میرے کچھ دن یہاں رہنے کی وجہ سے رتن باغ کو ان کی نگاہ میں وہ فضیلت حاصل ہو گئی ہے جو خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ کا گھر ہونے کی وجہ سے حاصل ہے۔ یہ دین کے ساتھ تمسخر ہے اور مومن کے لئے ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اگر تم نے جمعہ کی مشق ہی کرنی ہے تو ہفتہ یا اتوار کے کسی دن اکٹھے ہو کر جمعہ کی مشق کر لیا کرو، دین کو تمسخر بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قادیان میں دو جمعے ہوتے تھے[3] یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ دلیل دی جائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قادیان میں تو دو جمعے ہوتے رہے ہیں۔ پھر ہمیں روکا کیوں جاتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس کی ایک وجہ تھی اور وہ یہ کہ ان دنوں ملک میں شدید طاعون پھیلا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات اور آپ کی پیشگوئیوں کے مطابق مسجد مبارک اور اس کے ارد گرد کا حلقہ زیادہ تر طاعون سے محفوظ رہا۔ لیکن مسجد اقصیٰ کے ارد گرد چونکہ کثرت سے ہندو رہتے تھے۔ ان میں طاعون پھوٹی اور ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے۔ اور چونکہ مسئلہ یہ ہے کہ جہاں طاعون پھیلی ہوئی ہو وہاں کے لوگ دوسرے علاقوں میں نہ جائیں اور دوسرے علاقوں کے لوگ طاعون زدہ علاقہ میں نہ آئیں[4]۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مسجد مبارک

ہیں الگ جمعہ ہوتا رہا اور مسجد اقصےٰ میں الگ۔ مسجد اقصےٰ میں وہ لوگ جو اس مسجد کے ارد گرد رہتے تھے اور وہ لوگ جن کے علاقہ میں طاعون پھیلی ہوئی تھی اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اور مسجد مبارک میں وہ لوگ جمع ہو جاتے تھے جو طاعون سے محفوظ تھے۔ پس یہ شریعت کا حکم تھا جس کے ماتحت دو جمعے ہوتے تھے کسی بندے نے یہ حکم نہیں بنایا تھا۔ لیکن رتن باغ میں جمعہ کی نماز الگ پڑھنا بندوں کی خالص اپنی ایجاد ہے۔ مَیں ربوہ میں سُن سُنکر سمجھتا تھا کہ شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہو مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ بات درست ہے۔ یہ تو ویسی ہی بات ہے جیسے قرآن کریم میں چند لوگوں کے متعلق ذکر آتا ہے کہ انہوں نے اپنی ایک علیحدہ مسجد بنائی تھی۔ جس پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس مسجد کو گرا کر مزبلہ یعنے مَیلے کے ڈھیر بنا دیا جائے جسے ہمارے ہاں رُوڑی کہتے ہیں۔ چنانچہ صحابہؓ نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے مسجد گرا دی اور وہاں رُوڑی کا ڈھیر بنا دیا جہاں لوگ گند پھینکا کرتے تھے۔

پس یہ نہایت ہی مکروہ اور ناپسندیدہ بات ہے اور دین میں تفرقہ اور انشقاق پیدا کرنے والی چیز ہے۔ مَیں حیران ہوں کہ باقی جماعت کے لوگوں نے اس کے خلاف کیوں احتجاج نہ کیا یہاں ہمارے مولوی صاحب جو مقامی مبلغ ہیں رہتے ہیں، مولوی کے معنے ہوتے ہیں ایسا شخص جو شریعت کے مسائل جانتا ہو۔ انہیں سختی سے اس بات کا اظہار کرنا چاہیئے تھا کہ یہ جائز نہیں، تم مسجد میں آؤ اور سب کے ساتھ مل کر جمعہ کی نماز ادا کرو۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جیل روڈ اور بھاٹی دروازہ کے آدمی تو مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے جائیں اور رتن باغ جو بالکل قریب ہے وہاں کے لوگ الگ نماز پڑھ کریں۔ آئندہ جو یہاں کے مبلغ ہیں انہیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ خطبہ پڑھا دیا یا کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا تو وہ بتلا دیا۔ بلکہ تعلیم و تربیت بھی ان کا کام ہے۔ جب وہ دیکھیں کہ کوئی کام دین کے خلاف ہو رہا ہے تو ان کا فرض ہے کہ اس سے لوگوں کو روکیں۔ اور اگر لوگ پھر بھی نہ رکیں، خلیفۂ وقت کے پاس رپورٹ کی جائے۔

ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ یہاں لاہور میں کئی جمعے ہوتے تھے اور وہ سب جمعے جائز ہوتے تھے کیونکہ دفاتر کو جمعہ کے دن چھٹی نہیں ملتی تھی۔ اور چونکہ جمعہ مقدم ہے۔ اس لئے ملازم پیشہ لوگ عموماً آدھ گھنٹہ کی چھٹی لے کر دفاتر کے قریب ہی کہیں جمع ہو کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایسے دو تین جمعے لاہور میں ہوتے تھے اور ہمیں کبھی اعتراض نہیں ہوا۔ لیکن رتن باغ میں جمع ہونے والوں کو کونسی حکومت مجبور کرتی ہے کہ آدھ گھنٹہ کے اندر ہی نماز سے فارغ ہو کر واپس آجاؤ، صرف اپنی چوہدریت جتانے کے لئے وہ ایسا کرتے ہیں۔

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ بعض دفعہ جب بیماری میں بیٹھے بیٹھے تھک جاتے تو فرماتے

اب دوست چلے جائیں۔ اس پر کچھ چلے جاتے اور کچھ بیٹھے رہتے۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد آپ پھر تنگ آ کر فرماتے کہ دوست چلے جائیں مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ اس پر پھر کچھ لوگ چلے جاتے اور کچھ بیٹھے رہتے۔ آخر تیسری دفعہ آپ فرماتے کہ اب چوہدری بھی چلے جائیں[۸] یعنی جو ہر دفعہ میرے کہنے کے یہ معنے لیتے ہیں کہ یہ حکم دوسروں کے لئے ہے، ہمارے لئے نہیں ہے، وہ بھی تشریف لیجائیں اسی طرح یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مسجد میں جمعہ پڑھنے کا حکم ہمارے لئے نہیں دوسروں کے لئے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے حکم ساروں کے لئے ہوتے ہیں۔ ان احکام پر عمل کرنے کے لحاظ سے ایک بادشاہ بھی برابر ہے اور ایک چوڑھا بھی، ایک نبی بھی برابر ہے اور ایک عام مسلمان بھی۔ جو خدا تعالیٰ کے احکام ہوتے ہیں وہ سب کے لئے یکساں ہوتے ہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم رات کے وقت کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو بعض دفعہ آپؐ اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ آپؐ کے پاؤں متورم ہو جاتے[۹]۔ جب آپؐ کی عمر بڑی ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ دیکھ کر تکلیف پہنچی۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنی جان کو اتنا دکھ میں کیوں ڈالتے ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ! جب خدا تعالیٰ نے یہ بات میرے متعلق فرمائی ہے اور اس نے مجھ پر اتنا بڑا احسان فرمایا ہے کہ میرے اگلے پچھلے سب گناہ اس نے معاف کر دیئے ہیں تو کیا اس احسان کے بدلہ میں میرے لئے ضروری نہیں کہ میں پہلے سے بھی زیادہ عبادت کروں[۱۰]۔ اب دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو اس کے یہ معنے لئے کہ آپ کو عبادت کم کرنی چاہیئے۔ لیکن آپ نے اس کے یہ معنے لئے کہ مجھے پہلے سے زیادہ عبادت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھوٹی عمر کی تھیں اور دین کی معرفت ان میں کم تھی۔ پھر حضرت عائشہؓ نے بھی وہی بات کی جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی۔ ایک وقت آیا جب ان کی معرفت بھی تیز ہو گئی۔ اور انہوں نے بالکل وہی طریقہ اختیار کیا جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار کیا تھا۔ صحابہؓ کا دستور تھا کہ وہ حضرت عائشہؓ کو دین کی خاص واقف اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص بیویوں میں سے سمجھ کر اکثر تحائف وغیرہ بھیجا کرتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عادت تھی کہ جو کچھ روپیہ وغیرہ آتا اس کا اکثر حصہ صدقہ کر دیتیں۔ حضرت زبیرؓ کے چھوٹے بچے عبید اللہؓ نے جب یہ بات دیکھی تو چونکہ وہ آپ کے بھانجے تھے۔ انہیں خیال آیا کہ اگر خالہ نے اسی طرح اپنا تمام مال تقسیم کر دیا تو باقی رشتہ داروں اور قریبیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ کہہ دیا کہ لوگو تم عائشہؓ کو اس اسراف سے

روکتے کیوں نہیں۔ ان کے پاس جتنا روپیہ آتا ہے اس کا اکثر حصہ وہ تقسیم کر دیتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا اس بھانجے کو آئندہ میرے گھر میں آنے کی اجازت نہیں ہوگی اور میں اسے معاف نہیں کروں گی، اگر کروں تو مجھ پر صدقہ لازم ہوگا۔ چنانچہ آپ نے اپنے بھانجے کو اپنے گھر آنے جانے میں منع کر دیا۔ صحابہؓ نے جب یہ بات دیکھی تو انہوں نے سمجھا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں ایسا اختلاف پسندیدہ نہیں خصوصاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی مقبول اور محبوب بیوی کا اپنے بھانجے پر ناراض ہونا اچھا نہیں اور انہوں نے تجویز کی کہ کسی طرح حضرت عائشہؓ سے ان کے بھانجے کو معافی دلوائی جائے۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے عبیداللہ کو اپنے ساتھ لیا۔ اور حضرت عائشہؓ کے دروازہ پر جا کر کہا کہ حضور ہم نے ایک بات کہنی ہے، اگر اجازت ہو تو ہم سب اندر آجائیں۔ حضرت عائشہؓ نے پردہ کھچوا دیا۔ اس زمانہ میں علیحدہ علیحدہ کمرے تو ہوتے نہیں تھے صحن میں پردہ لٹکا دیا جاتا تھا۔ جس کے ایک طرف مرد بیٹھ جاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی پردہ لٹکا دیا، خود ایک طرف ہوگئیں۔ اور انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اندر گئے تو عبیداللہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دیتے وقت کسی خاص شخص کا نام نہیں لیا تھا، یہی کہا تھا کہ سب آجائیں۔ انہوں نے عبیداللہ کو پہلے سمجھا رکھا تھا کہ جب ہم تجھے اندر پہنچا دیں تو پردہ اٹھا کر خالہ سے چمٹ جانا اور کہنا کہ مجھے معاف کر دو۔ جب صحابہؓ پردہ کے ایک طرف بیٹھ گئے تو عبیداللہ نے دوڑ کر پردہ اٹھایا اور خالہ سے چمٹ گئے اور کہنے لگے خالہ مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے سخت غلطی ہوئی ہے۔ ادھر سے صحابہؓ نے بھی سفارش کر دی کہ بچہ تھا اس سے غلطی ہوگئی ہے۔ آپ اسے معاف فرما دیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے معاف فرما دیا۔ مگر اس کے بعد آپ کے پاس جو چیز بھی آتی آپ اسے صدقہ کے طور پر دیدیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتی ہیں تو آپ نے فرمایا۔ میں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر میں اپنے بھانجے کو معاف کروں گی تو کچھ صدقہ کروں گی۔ میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں تھوڑا صدقہ کروں تو شاید وہ کچھ کی مقدار تک نہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو۔ اس لئے میرے پاس جو چیز بھی آتی ہے، میں صدقہ دے دیتی ہوں۔ اس طرح آپ نے اپنے بھانجے کو معاف بھی کر دیا اور صدقہ اس سے بھی زیادہ دینا شروع کر دیا جتنا وہ پہلے دیا کرتی تھیں۔ کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ جب خدا نے مجھے اور میرے بھانجے کو ملا دیا ہے تو اب میرا فرض ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے شکر میں پہلے سے بھی زیادہ صدقہ دوں۔ گویا جو کچھ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا وہی حضرت عائشہؓ نے کیا۔ مگر اس وقت جب ان کی معرفت زیادہ ترقی کر گئی۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب ہماری جماعت کو قائم ہوتے ساٹھ سال گذر

چکے ہیں۔ ساٹھ سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتا۔ پس ہمیں سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے کہ اتنے لمبے عرصہ میں ہم نے دنیا پر روحانی لحاظ سے غالب آنے کے لئے کیا کیا ہے۔ بے شک خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ہماری جماعت کو غالب کرے گا مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ کسی دینی اور روحانی جماعت کو اشاعت دین کے لئے متواتر جدوجہد اور قربانیوں کے بغیر غلبہ عطا کر دے۔ پس میں جماعت کو ایک دفعہ پھر ان کے فرائض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ خصوصاً یہ عید کا دن ایسا ہے جس میں ہمیں وہ وعدہ یاد دلایا گیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کیا تھا کہ میں تیری اولاد کو دنیا کے کناروں تک پھیلاؤں گا۔ ہم اس پیشگوئی کی یاد میں یہ دن مناتے ہیں۔ مگر تعجب ہے ہم دنیا کے ایک کونے میں بیٹھے ہیں اور عید اس بات کی منا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ اگر یہ سچی بات ہے تو تم ہی حق پر ہو، اگر یہ سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کے دین کو ماننے کی تمھیں ہی توفیق ملی ہے تو تمھیں سوچنا چاہیئے کہ تم کس طرح خوش ہو کر یہ کہہ سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئی پوری کر دی۔

اگر تم دنیا کے ایک کونے میں بیٹھے ہو تو خدا تعالیٰ نے ابراہیم کی پیشگوئی پوری نہیں کی بلکہ اس کے پورے ہوتے ہوتے اس میں روک پیدا کر دی اور یا پھر تمہیں ماننا پڑے گا کہ تمہارے علاوہ بھی کچھ جماعتیں ایسی ہیں جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہیں اور چونکہ وہ دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں اس لئے ابراہیمؑ کی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ ایک طرف تمہارا یہ دعویٰ کرنا کہ خدا تعالیٰ کی رضا تم سے وابستہ ہے اور دوسری طرف تمہارا ابراہیمؑ کی پیشگوئی کے پورا ہونے پر خوش ہونا حالانکہ تم دنیا کے ایک کونے میں سمٹے بیٹھے ہو آپس میں کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ جب قانونی طور پر بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کی رضا اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب وہ احمدی جماعت میں داخل ہو جائیں تو ابراہیمؑ کی پیشگوئی بھی اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے جب تم دنیا کے کونے کونے میں پھیل جاؤ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ اختیار رکھتا ہے کہ وہ جس کو چاہے بخش دے مگر یہ استثناء ہے اور استثناء اور قانون میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک شخص اگر اپنے دوستوں کی دعوت کرتا ہے تو بعض دفعہ وہ کسی فقیر کو بھی کھانا کھلا دیتا ہے۔ مگر اس کا فقیر کو کھانا کھلانا ایک استثنائی رنگ رکھتا ہے۔ اسی طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ خدا تعالیٰ کسی اور کو بخش نہیں سکتا۔ وہ استثنائی طور پر جس کو چاہے بخش دے مگر قانونی طور پر صرف خدائی جماعتوں کا ہی یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ شامل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر کسی اور کو رضا حاصل ہوتی ہے تو وہ غیر قانونی اور استثنائی رنگ

رکھتی ہے جیسے آج ہی اخبارات میں یہ اعلان ہوا ہے کہ آسٹریلیا کی پارلیمنٹ میں پاکستان کے ایک ممبر کو بھی بیٹھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور یہ تیسری مثال ہے جبکہ آسٹریلیا کی پارلیمنٹ میں ایک غیر ممبر کو بیٹھنے کی اجازت دی گئی۔ اب دیکھو پارلیمنٹ میں ایک غیر ممبر کا بیٹھنا ممکن تو ہوگیا۔ کیونکہ دو پہلے بیٹھ چکے تھے ایک یہ بیٹھ گیا مگر اس کو قانون نہیں کہا جا سکتا۔ قانونی طور پر صرف پارلیمنٹ کا ممبر ہی پارلیمنٹ میں بیٹھ سکتا ہے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ بلکہ اگر کوئی روکے تو اس پر مقدمہ چل جاتا ہے۔ عدالتیں بھی سیاسی مقدمات میں ایسے آدمی کی گرفتاری کو ناجائز سمجھتی ہیں ہاں اگر دیوانی یا فوجداری مقدمہ ہو جائے۔ تو پھر اور بات ہے۔ غرض قانونی طور پر ہماری جماعت کا ہی یہ دعویٰ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہے۔ باقی رہا استثنیٰ، سو استثنیٰ قانون کو توڑتا نہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ وہ اختیار رکھتا ہے جس کو چاہے بخش دے۔ ہمارا دعویٰ صرف اتنا ہے۔ کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے بخشش کے لئے قانون بخشا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو استثنا بخشا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کریں۔ تو لازمی طور پر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ یہ نہیں کہہ سکتے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بخش دے تو اس کا احسان ہے۔ بہرحال اگر یہ سچی بات ہے کہ صرف ہم لوگ ہی اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلنے والے ہیں۔ تو پھر ہمارے ذریعہ سے ابراہیمؑ کی نسل دُنیا میں پھیلی نہیں بلکہ وہ سمٹ گئی ہے۔ کیونکہ کروڑوں کروڑ لوگوں کے متعلق ہم نے کہہ دیا کہ قانوناً وہ رضاءِ الٰہی کے مستحق نہیں پس ہمیں فکر کرنا چاہیئے کہ ہمیں خدا نے کس ابتلاء میں ڈال دیا کہ ایک عظیم الشان پیشگوئی جو دنیا کے کناروں تک ابراہیمی ذریّت کے پھیلنے کے ساتھ تعلق رکھتی تھی وہ ہماری وجہ سے سمٹ کر رہ گئی اور ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اس پیشگوئی کے حلقہ کو ہم زیادہ سے زیادہ وسیع کریں۔ تاکہ کوئی شخص ہمیں یہ طعنہ نہ دے کہ تم نے آلِ ابراھیمؑ کو محدود کر دیا۔

یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اگر کوئی احمدی سوچے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی راتوں کی نیند بھی اُڑ جائے۔ جب تک دنیا میں ان لوگوں کی اکثریت نہ ہو جائے جو اس قانون کے مطابق جس کو تم سچا سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے وارث ہوں اس وقت تک تم صحیح معنوں میں اپنے فرائض کو ادا کرنے والے نہیں سمجھے جا سکتے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ تبلیغ اسلام صرف ہماری جماعت ہی کر رہی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ عیسائی اور دوسرے غیر مذاہب کے لوگ ہمارے ذریعہ سے ہی اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور اس طرح اپنی تائید میں ایک عقلی دلیل ہمیں حاصل ہے۔ مگر عقلی دلیل اور واقعاتی دلیل میں بڑا بھاری فرق ہوتا ہے عقلی طور پر بے شک ہم اسلام کو پھیلا رہے ہیں۔ لیکن اگر اسلام کو ہمارے ذریعہ سے غلبہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ ہماری آئندہ نسلیں اس کو

غالب کرنی ہیں تو ہماری خوشی ایسی ہی ہو گی جیسے گیدڑوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ رات کو اکٹھے ہوتے ہیں ۔تو شور مچانا شروع کر دیتے ہیں کہ پدرم سلطان بود ۔ ہمارا باپ بادشاہ تھا اس پر ایک گیدڑ آگے نکل کر انہیں کہتا ہے "تراچہ" یعنی اگر تمہارا باپ بادشاہ تھا تو پھر تمہیں کیا ۔گیدڑ تو اپنی پرانی بادشاہت یاد دلاتے ہیں ۔ہم لوگوں کو اپنی آئندہ بادشاہت یاد دلادیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک صدی کے بعد دیکھ لینا ،سب دنیا پر ہمارا ہی غلبہ ہوگا وہ کہتا ہے اوّل تو مجھے یقین ہی نہیں اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو پھر تراچہ ۔تجھے کیا۔جن کے زمانہ میں جماعت پھیلے گی وہ فخر بھی کرلیں گے ۔ اور خوش بھی ہولیں گے، تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ تم خوشیاں مناتے پھرو۔ تمہارے ہاتھ سے تو پچھلی بادشاہت بھی گئی اور آئندہ کی بھی تمہیں امید نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ دو آدمی حلوے اور مٹھائیوں کی سینیاں اٹھائے ہوئے آرہے تھے ۔ وہ کہنے لگا پھر مجھے کیا۔ اس نے کہا نہیں وہ تمہارے گھر کی طرف آرہے تھے ۔ وہ کہنے لگا پھر تجھے کیا یعنی اگر وہ کہیں اور جا رہے تھے تو پھر مجھے کیا۔ اور اگر وہ میری طرف آرہے تھے تو پھر تجھے کیا۔ کہ تو خوش ہو رہا ہے۔ اگر تمہاری اولادوں نے ہی کامیاب ہونا ہے ۔تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ تراچہ ۔ تم کو کیا ۔تم کو تو تبھی خوشی ہوسکتی ہے جبکہ تم آنے والی کامیابی اور فتح میں خود حصہ لو ۔ یہ کیا کہ گھروں میں آرام سے سوئے ہوئے ہو ،رات دن کے کاموں میں مشغول ہو ،سستی اور غفلت تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتی اور آئندہ آنیوالی نسلوں نے جو فتح حاصل کرنی ہے اس پر تمہارا سر اونچا ہو رہا ہے اور تم خوشی سے جھوم رہے ہو، آنے والے آئیں گے ۔ اور کامیابیاں حاصل کریں گے ،تو خوش بھی ہولیں گے ،تمہارا کیا حق ہے کہ تم خوش ہوتے پھرو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فتح اور کامیابی حاصل کی تھی اس پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فخر کر سکتے تھے لیکن اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادے پردادے فخر کرتے کہ ہماری نسل میں سے ایک ایسا انسان پیدا ہوگا۔ جو دنیا میں عظیم الشان کامیابی حاصل کرے گا تو ہر شخص انہیں یہی کہتا کہ تراچہ ۔تمہیں کیا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا میں آئیں گے اور فتح حاصل کرلیں گے تو خوشی بھی منا لیں گے ،تم کو کیا حق حاصل ہے کہ تم خوشی مناتے پھرو ۔ اسی طرح اگر تمہاری کامیابی نے بھی ڈیڑھ سو سال کے بعد آنا ہے اور تم نے اس کی بنیادیں بھی نہیں رکھیں تو پھر تمہیں کیا ، آنیوالے آئیں گے تو فخر بھی کرلیں گے ۔پس اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کرو۔ تم میں سے بعض کی مثال اب اس شخص کی سی ہوگئی ہے ۔جو افیون کھاتے کھاتے افیون کا عادی ہو جاتا ہے ۔ میں ایسے لوگوں سے کہتا ہوں کہ تمہیں اتنے وعظ سنائے گئے ہیں ، دنیا کی اور کسی قوم کو اتنے وعظ نہیں سنائے گئے مگر تم محض چکنا گھڑا ثابت ہوئے ہو تم نے بھی وعظ سنے مگر ان کا اثر قبول نہ کیا ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے سلطان القلم قرار دیا تھا[۵۶]۔ اس کے مقابلہ میں اس نے مجھے اتنا بولنے کا موقع دیا کہ مجھے اس نے سلطان البیان بنا دیا۔

مگر نہ قلم نے تمہیں کوئی فائدہ دیا اور نہ بیان نے تمہیں کوئی فائدہ دیا۔ قلم نے لکھا اور اتنا لکھا کہ سو کتاب بن گئی۔ مگر اس کثرت نے بھی تمہارے لئے صرف اتنا ماحول پیدا کیا کہ ؎

شد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیر ہا[۵۷]

کتابوں کی کثرت نے تمہیں قلم سے بالکل غافل کر دیا اور لکھنا نہ لکھنا تمہارے لئے مساوی ہو گئے۔ میں نے اتنی تقریریں کیں اور اتنے لیکچر دیئے کہ شاید دنیا میں اس کی بہت ہی کم مثال ملے گی لیکن میری تقریریں اور میرے بیانات بھی کچھ نہ کہنے کے مساوی ہو گئے۔ گویا تم میں سے بعض کی وہی حالت ہو گئی۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ[۵۸]

دونوں باتیں تمہارے لئے برابر ہو گئیں۔ ڈرانا بھی اور نہ ڈرانا بھی۔ تمہارے لئے قلم بھی برابر ہو گئی اور بیان بھی برابر ہو گیا۔ قلم نے لکھا اور اتنا لکھا کہ تم نے کہدیا کہ قلم نے تو اب اتنا لکھدیا ہے کہ ہم سے پڑھا ہی نہیں جاتا۔ اور زبان نے اتنا بیان کیا اتنا بیان کیا کہ تم نے کہدیا ہم اب کس کس بات کو یاد رکھیں۔ ہم سے تو عمل ہی نہیں ہو سکتا۔ پس دونوں باتیں تمہارے لئے برابر ہو گئیں۔

یہ بڑے فکر کی بات ہے، یہ بڑے خطرہ کی بات ہے کئی ایسے ہوتے ہیں جو ایک بات سنتے ہیں اور نجات پا جاتے ہیں، وہ بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں۔ اور کئی ایسے ہوتے ہیں جو بار بار سنتے ہیں اور نجات پا جاتے ہیں، وہ بھی خوش قسمت ہوتے ہیں۔ مگر وہ جن کے لئے اتنا لکھا گیا جس کی حد نہیں اور جن کے لئے اتنا کہا گیا جس کی حد نہیں اور پھر بھی ان میں تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ وہ خوش قسمت نہیں کہلا سکتے۔ دوسرا لفظ میں نہیں بولتا، اس لئے کہ میری زبان پر وہ گراں گذرتا ہے۔ بہر حال ابھی وقت ہے اپنے اندر تغیر پیدا کرو۔ زمانہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ خدا کچھ کرنا چاہتا ہے۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ تم اپنے اندر نیک تبدیلی پیدا کرو تاکہ جب خدائی تقدیر ظاہر ہو تو وہ تمہارے حق میں فیصلہ کرے۔ اگر تم اپنے اندر نیک تبدیلی پیدا کر لو تو دنیا تمہیں تباہ نہیں کر سکتی۔ سمندر میں تلاطم آئے گا اس کی موجیں اٹھیں گی اور لوگ سمجھیں گے کہ تم تباہ ہو گئے۔ مگر جب طوفان میں سکون پیدا ہو گا تو دنیا یہ دیکھ کر حیران رہ جائے گی کہ تم سلامتی کے ساتھ کنارے پر کھڑے ہو اور لوگ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکے۔

(الفضل ۹ رمئی ۱۹۶۲ء)

۱؎ ۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ۔ مؤلفہ عبدالرحمٰن الجزیری جزء اول ص۳۵۳

۲؎ ۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ مؤلفہ عبدالرحمٰن الجزیری جزء اول ص۳۵۸

۳؎ ۔ [illegible] حبیب مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ۔ ص۲۲

۴؎ ۔ جامع ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی کراھیۃ الفرار من الطاعون ۔

۵؎ ۔ التوبہ ۹ : ۱۰۷

۶؎ ۔ تمام مستند تاریخی اور تفسیری کتب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار کے گرانے اور جلانے کا حکم صادر فرمایا تھا

۷؎ ۔ تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ ص۱۸

۸؎ ۔ یہ حضور رضی اللہ عنہ کی اپنی روایت ہے اور ظاہر ہے کہ اسے ایک مستند درجہ حاصل ہے ۔

۹؎ ۔ صحیح بخاری کتاب التہجد باب قیام النبی صلے اللہ علیہ وسلم اللیل حتی ترما ہ قدماہ

۱۰؎ ۔ جامع ترمذی شمائل النبی صلے اللہ علیہ وسلم باب ماجاء عبادۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۱؎ ۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش ، مستدرک حاکم جلد ۴ ص۷۳

۱۲؎ ۔ صحیح بخاری کتاب الادب باب الھجرۃ

۱۳؎ ۔ پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۷-۱۸

۱۴؎ ۔ آسٹریلوی پارلیمنٹ میں مسٹر ویف ہارون سابق پاکستانی سفیر (اس وقت ہائی کمشنر) کو بیٹھنے کی اجازت دی گئی تھی (ڈان کراچی [illegible])

۱۵؎ ۔ انتخاب ضرب الامثال والحکم فارسی ص۵ مؤلفہ آقائے علی اکبر مطبوعہ اردو بازار ۱۹۵۸ء

۱۶؎ ۔ تذکرہ ایڈیشن سوم ص۲۰۸

۱۷؎ ۔

۱۸؎ ۔ البقرہ ۲ : ۷